عادلانہ جنگ [1]

اسلام میں جنگ کا تصوّر

محمود شیت خطاب

ترجمہ: عبدالرحمٰن طاہر سورتی

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ (البقرۃ: ۱۹۰)	اور تم اللہ کے راستہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں۔

اسلام کی نظر میں جنگ کے معنی اسلامی جنگ سے مراد ایسی لڑائی ہے جو دعوت اسلام کی نشر و اشاعت کی آزادی کی ضمانت حاصل کرنے اور امن کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کے لئے دشمن سے لڑی جائے۔ اس جنگ میں شرافت، بلند اخلاق، اولوالعزمی اور جوانمردی و بہادری کی غمازیانہ

---

[1] یہ "حرب عادلہ" کا ترجمہ ہے۔ حرب یعنی جنگ سے مراد تمام ایسے مقابلے اور تصادم ہیں جو دو یا دو سے زائد حکومتوں کی اسلحہ بند قوتوں کے درمیان واقع ہوں اور ان میں سے ایک یا فریقین باہمی امن و سلامتی اور صلح و آشتی کے تعلقات ختم کرنے کے خواہاں ہوں۔

حرب عادلہ: حرب عادلہ ایسی جنگ کو کہتے ہیں جو کسی قوم کی طرف سے ایسی ظالم قوم کے خلاف لڑی جائے جو ظلم پر مُصر ہو۔ اور اس جنگ میں یہ ضروری شرط ہے کہ انسانیت کے بنیادی اصول و قواعد کا لحاظ رکھا جائے۔ اور اس کی تہہ میں دائمی امن و سلامتی قائم کرنے کا مقصد کارفرما ہو۔ نیز اس میں یہ بھی ضروری ہے کہ بے گناہوں کی جان و مال کا احترام کیا جائے۔ یرغمال اور قیدیوں سے اچھا سلوک کیا جائے۔

غیر عادلانہ جنگ: یہ ایسی جنگ ہوتی ہے جس کے لئے کوئی مبنی بر عدل وجۂ جواز نہ ہو۔ مثلاً کسی حکومت کا دوسری حکومت کے کچھ علاقہ پر غاصبانہ قبضہ کرنے یا اسے اپنے تابع فرمان بنانے کے لئے جنگ کرنا وغیرہ۔

جنگ[1] کے اصول ملحوظ رکھے جاتے ہیں۔

اسلام میں جنگ کی اجازت کب ملی؟ ہجرت سے قبل مسلمانوں پر جنگ حرام تھی۔ لیکن جب قریش کی دشمنی حد سے بڑھ گئی اور انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کو ان کے وطن سے نکال دیا۔ ان کے مال و جائداد سے انہیں محروم کر دیا اور مسلمان ہجرت کر کے مدینہ میں پناہ گیر ہو گئے، تب پہلی مرتبہ جنگ کی اجازت دینے کے لئے یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں:-

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر ۝ الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ۔

جن لوگوں سے جنگ کی جارہی ہے انہیں اس بنا پر جنگ کی اجازت دی جاتی ہے کہ ان پر ظلم ہوا ہے، اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر قدرت رکھتا ہے۔ یہ مظلوم وہ ہیں جنہیں ناحق ان کے گھروں سے نکال دیا گیا ہے۔ ان کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں "ہمارا رب اللہ ہے" (الحج: ۳۹-۴۰)

ابھی آپؐ کو مدینہ پہنچے ہوئے بارہ ماہ[2] بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ ماہ صفر کے اوائل میں آپؐ کو جنگ کی غرض سے مدینہ سے باہر نکلنا پڑا اور اس طرح عملاً اسلام میں جنگ کا آغاز ہو گیا۔

اسلام میں جنگ کے مقاصد

۱۔ آزادیٔ نشر دعوتِ اسلام کی حمایت: اسلام میں جنگ کے مقاصد میں صرف یہی نہیں ہے کہ دعوتِ اسلام کی نشر و اشاعت کی جائے بلکہ مقصد اس کی نشر و اشاعت کے لئے آزادی کی حمایت و مدافعت ہے، کیونکہ بزور و جبر دعوت اسلام کی نشر و اشاعت کے معنی "اکراہ" ہوں گے جو اسلام میں منع ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] غازیانہ جنگ سے مراد ایسی جنگ ہے جس میں جنگجو فریق انسانی شرف کے منافی کوئی حرکت (یا کارروائی) نہ کرے۔ فوجی اعزاز کا تقاضا یہ ہے کہ طے شدہ عہد و پیمان کی پوری پابندی اور احترام ملحوظ رہے۔ ایسے ہتھیاروں کا استعمال حرام قرار دیا جائے جن کا استعمال شرف انسانیت کے لئے باعث ننگ و عار ہو۔ کسی قسم کی خیانت یا فریب کو کام میں نہ لایا جائے۔ ایسی جنگ میں زخمیوں سے ہمدردی، بیماروں کی پوری دیکھ بھال، نازک حال زخمیوں کو جان سے نہ مار ڈالنا، لڑائی میں شرکت نہ کرنے والوں اور امن پسند باشندوں سے تعرض نہ کرنا ضروری شرائط ہیں

[2] آپؐ ہجرت کر کے ۱۲ ربیع الاول بروز پیر دوپہر کو قباء پہنچے تھے۔

لا اکراہ فی الدّین قد تبیّن الرشد من الغیّ۔

دین میں کسی قسم کا جبر و اکراہ نہیں۔ صحیح راہ غلط راہ سے کھل کر واضح ہو چکی ہے۔ (البقرہ : ۲۵۶)

اسلام میں جنگ کا مقصد آزادیٔ عقیدہ کی حمایت، لوگوں میں عقیدہ کی آزادانہ اشاعت کی ضمانت نیز اسلامی مملکت کی خارجی حملہ آوروں سے مدافعت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

وقاتلوا فی سبیل اللّٰہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا انّ اللّٰہ لا یحبّ المعتدین۔ (البقرۃ : ۱۹۰)

اور راہ خدا میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔

اسلام میں جنگ مدافعانہ ہے۔ مسلمان کسی پر بھی حملہ کرنے میں ابتدا نہیں کریں گے، وہ جنگ اسی وقت کریں گے جب انہیں لڑائی پر مجبور کر دیا جائے گا۔ ان کی نظر میں جنگ ایک معزز و مقدس مقابلہ کا نام ہے جس میں جنگ لڑنے والوں کے لئے شرافت و عالی ظرفی اور تقدس کے منافی اعمال روا نہیں۔ شرافت و عالی ظرفی کے ضروری عناصر یہ ہیں : عہد و پیمان کا احترام، خیانت سے اجتناب، مریضوں، زخمیوں اور قیدیوں کے ساتھ ہمدردی اور ان کا تسلی بخش انتظام صلح پسند اور جنگ میں حصّہ نہ لینے والے بچوں عورتوں اور بوڑھوں سے تعرض نہ کرنا۔

۲۔ امن و سلامتی کی بنیادوں کو مستحکم کرنا | مضبوط فوج کے بغیر قوم تباہی کا نشانہ ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ایسی صورت میں اس کے دشمن اس کی قوت سے بے خوف ہو کر اسے ہڑپ کر لینے کی سوچتے ہیں لیکن جب اس کی فوجی قوت مضبوط ہوتی ہے تو دشمن اس کے ارادہ کا احترام کرتے ہیں اور انہیں اس پر ظلم و زیادتی کا منصوبہ بنانے کا موقع نہیں ملتا۔ نتیجۃً امن و سلامتی کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

واعدّوا لھم ما استطعتم من قوّۃٍ ومن رباطِ الخیل ترھبون بہ عدوّ اللّٰہ وعدوّکم وآخرین من دونھم لا تعلمونھم اللّٰہ یعلمھم وما تنفقوا من شیءٍ فی سبیل اللّٰہ یوفّ الیکم وانتم لا تظلمون۔

اور (مسلمانو!) جہاں تک تمہارے بس میں ہے ہر قسم کی قوت اور سرحدوں کی حفاظت کے لئے فوجی دستے تیار رکھو تاکہ اس کے ذریعہ تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رکھو نیز ان لوگوں کے سوا اوروں پر بھی جن کی تمہیں خبر نہیں۔ اللہ انہیں جانتا ہے اور (یاد رکھو) اللہ کی راہ میں تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے، وہ تمہیں پورا پورا مل جائے گا۔ اور تمہاری حق تلفی نہیں ہوگی۔

وان جنحوا للسلم فاجنح لھا۔ (الانفال: ۶۱ : ۶۲)
اور (دیکھو) اگر (دشمن) صلح کی طرف جھکیں تو چاہیئے کہ تم بھی اس کی طرف جھک جاؤ۔

یاایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃً ۱؎ (البقرۃ ۲ : ۲۰۸)
اے ایمان والو! تم سب کے سب (دائرہ امن و) سلامتی (اور صلح و فرمانبرداری) میں داخل ہو جاؤ۔

۱؎ اس امر کا سب سے پہلا اور بنیادی ثبوت یہ ہے کہ لفظ "اسلام" اسی مادہ سے ہے جس سے سِلْم، سلام اور سلامتی ہے۔ اسلام کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں کہ (اللہ کے بتائے ہوئے) حق اور خیر کے نظام کے لئے جسم و قلب اور روح کو عاجزانہ جھکا دیا جائے۔

خود قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں "السّلام" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:
ھواللہ الذی لا الہ الّا ھو الملک القدوس السلام المؤمن المھیمن (الحشر: ۲۴)

جب مسلمان باہم کر ملتے ہیں تو ایک دوسرے کو "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کی دعا دیتے ہیں یعنی تمہارے اوپر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔ نماز میں ہر مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں "السلام علیك ایھا النبیّ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کا تحفہ پیش کرتا ہے۔ اسی طرح نماز ہی میں مسلمان اپنے جملہ حق پسند اور خیر پر کاربند بھائیوں کے لئے "السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصّٰلحین" کہتا ہے۔ اسی طرح جب مسلمان اپنی نماز ختم کرتا ہے تو دائیں بائیں متوجہ ہو کر "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہتا ہے۔ پھر نماز کے بعد آنحضرتؐ سے جو ذکر مروی ہے اس میں بھی "اللھم انت السلام ومنك السّلام" ہے۔

مکہ شریف میں مسجد حرام کے ایک دروازہ کا نام اور مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کا نام "باب السلام" ہے۔ خود جنت جو خدا کے اطاعت کش بندوں کا آخری مرکز ہے بموجب آیت کریمہؐ "لھم دار السلام عند ربھم وھو ولیھم بما کانوا یعملون" (الانعام ۶ : ۱۲۷) دار السّلام ہے۔ اسی طرح روزِ قیامت جب مومنین کو اللہ کا دیدار ہوگا تو اس دن بھی ان کی زبان پر "سلام" ہی کا ورد ہوگا تحیتھم یوم یلقونہ سلام (الاحزاب ۳۳ : ۴۴)

الغرض جو بھی قرآن مجید کی آیات کا بغور مطالعہ کرے گا اسے معلوم ہوگا کہ لفظ سِلْم اور اس کے مشتقات قرآن مجید میں ۱۳۳ سے زیادہ آیات میں استعمال ہوئے ہیں، جبکہ اس کے ✻ (باقی اگلے صفحہ پر)

ان تصریحات سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ اسلام میں امن و سلامتی عام کرنا دین میں شامل ہے لیکن کیا دوسرے لوگ بھی یہی چاہتے ہیں ...... ؟؟!

اسلام کی نظر میں جنگ کی قسمیں

۱۔ مسلمانوں کی مسلمانوں سے جنگ | اس قسم کی جنگ اسلامی ریاست کے داخلی امور میں سے ایک مسئلہ ہے۔ قرآن مجید نے ایسی صورت میں جبکہ مسلمانوں کی مختلف جماعتوں میں قانون شکنی کی حد تک باہمی کشیدگی بڑھ جائے یا حاکم و رعایا کے درمیان سرکشی اور بغاوت کی نوبت آجائے، ایسا قانون وضع کیا ہے جس سے امت کی وحدت و سالمیت کی حفاظت کے ساتھ ساتھ حکومت کا رعب و اقتدار بھی باقی رہے اور ظلم و بغاوت کے فتنہ سے تمام اسلامی معاشرہ بھی محفوظ رہے، وہ قانون یہ ہے :۔

وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما فان بغت احدٰھما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتّٰی تفیٓء

اگر مومنوں کی دو جماعتوں میں جنگ ہو جائے تو ان کے درمیان صلح کرا دو۔ پھر اگر ان میں سے ایک دوسری پر تجاوز کرے تو تجاوز کرنے والی جماعت سے اس وقت

※ بالمقابل لفظ حرب (جنگ) صرف چھ آیات میں استعمال ہوا ہے، اس بنا پر ہم پورے وثوق اور قوت کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کے عام مقاصد میں امن و سلامتی کو بنیادی اور عمومی حیثیت حاصل ہے۔ بلکہ قرآن مجید صراحت سے بتاتا ہے کہ اسلام کی پیروی کا جو متوقع نتیجہ و ثمرہ ہے وہ سلامتی کی راہوں اور نور تک پہنچنا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے :

قد جاء کم من اللہ نورٌ و کتابٌ مّبین یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلام ویخرجھم من الظلمات الی النور باذنہٖ و یھدیھم الی صراط مستقیم ہ

(المائدہ : ۱۸)

تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور بیان کرنے والی کتاب آگئی ہے۔ اس کے ذریعہ اللہ ان لوگوں کو، جو اس کی رضا کی اتباع کرتے ہیں، سلامتی کے راستوں کی ہدایت دیتا ہے انہیں اپنے فرمانِ اجازت کے ذریعہ تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتا ہے اور انہیں سیدھے راستہ کی ہدایت کرتا ہے۔

یہ ہے اسلام کی نظر میں امن و سلامتی کا مقام، ذرا قیاس کیجئے اس پر سلامتی کا جھوٹا ڈھونگ رچانے والے مدعیان امن و سلامتی کے بلند بانگ دعوؤں کا ؟!

الی امر اللہ فان فاءت فاصلحوا بینہما بالعدل واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین ۰ انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللہ لعلکم ترحمون۔ (الحجرات[۳۹] : ۱۰) تک لڑائی کرو کہ وہ اللہ کے حکم پر پلٹ آئے، پھر اگر وہ رجوع کرے تو عدل سے ان کے درمیان صلح کراؤ اور انصاف کرو بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے. مومن تو بھائی بھائی ہیں لہٰذا تم اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرادو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

یہ آیت مومنوں کی دو پارٹیوں میں ایسے اختلافات کو تسلیم کر رہی ہے جو پرامن ذرائع سے طے نہ ہو سکتا ہو اور فریقین کو اسے حل کرنے کے لئے جنگ کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہ جائے۔ یہ آیت اسلامی حکومت پر فرض عائد کرتی ہے کہ وہ فریقین کے باہمی اختلاف اور کشیدگی کے وجوہ معلوم کرے اور ان کے درمیان صلح وصفائی کی امکانی کوشش کرے. اگر باہمی بات چیت اور تبادلہ خیالات سے اصلاح کی صورت پیدا ہو جائے، حقوق حق داروں کو مل جائیں، بغاوت فرو اور امن بحال ہو جائے تو خدا کا شکر بجا لانا چاہیئے جس نے مومنوں کو باہمی جنگ سے بچا لیا، لیکن اگر ایک فریق دوسرے کے حقوق دینے پر رضامند نہ ہو اور سرکشی وبغاوت میں بڑھتا ہی چلا جائے حق اور مومنوں کے فیصلہ کو نہ ماننے پر مُصر رہے تو وہ اس (سرکشی کی) بنا پر باغی قرار دے دیا جائے گا، اور جملہ مسلمانوں پر فرض ہو جائے گا کہ اس وقت تک اس باغی فریق سے برسرپیکار رہیں تاوقتیکہ وہ حق کے سامنے جھک جائے۔

اس قانون کی غرض وغایت افتراق اُمت کا سدّباب اور اُمت اسلامیہ کی وحدت کا تحفظ ہے اس طرح یہ جنگ امن وسلامتی کا ذریعہ اور ظلم وبغاوت کے استیصال کی موجب ہے۔

۲۔ <u>مسلمانوں کی غیر مسلموں سے جنگ</u> مسلمانوں کی غیر مسلموں سے جنگ کا قانون اس لئے بنایا گیا کہ ظلم وزیادتی کا خاتمہ ہو جائے. آزادیٔ دین اور اس کی نشرواشاعت کی حفاظت وحمایت کی جائے. قرآن مجید نے جنگ کا قانون وضع کرنے میں کوئی ایسی شق نہیں رکھی جس سے طمع، خود غرضی، شخصی یا قومی برتری اور کمزوروں پر جبر حکومت کا موقع فراہم ہوتا ہو. قانون جنگ سے اس کا تمام تر مقصود یہ ہے کہ امن وسلامتی اور نظم وطمانیت عام ہو اور انسانی زندگی عدل وانصاف کے میزان پر برقرار رہے۔

اسلامی ریاست میں محکوم غیر مسلموں سے جو جزیہ وصول کیا جاتا ہے وہ نہ تو ان کے خون کا معاوضہ ہوتا ہے نہ عقیدہ کا. وہ تو مغلوب غیر مسلمین کی املاک، عقائد، آبرو، عزت نفس کی حفاظت کرنے اور

انہیں مسلمانوں کے برابر شہری حقوق دلانے کا معاوضہ ہوتا ہے، وہ تمام معاہدے جو مسلمانوں اور اسلامی علاقوں کی مغلوب غیر مسلم رعایا کے درمیان ہوئے ہمارے اس بیان کی تائید کرتے ہیں کہ یہ جزیہ ان کے عقائد اور اموال کی حفاظت کی خاطر لیا جاتا تھا۔ حضرت خالد بن الولید کے اس معاہدہ میں جو انھوں نے قس الناطف کے والی سے کیا تھا بوضاحت درج ہے:۔

"میں تم سے معاہدہ کرتا ہوں کہ جزیہ لوں گا اور تمہاری حفاظت کروں گا۔۔۔۔۔ اگر ہم تمہاری حفاظت کریں تو ہمیں جزیہ وصول کرنا روا ہے۔ بصورت دیگر ہم جزیہ نہیں لیں گے تا آنکہ ہم تمہاری حفاظت کریں۔"

چنانچہ جنگ یرموک سے کچھ پہلے جب مسلمان اپنے مفتوحہ علاقوں کو خالی کر کے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے تھے تو حضرت خالد بن الولیدؓ نے حمص والوں کی اور حضرت ابو عبیدہؓ نے دمشق والوں کی، اسی طرح تمام دیگر فوجی سربراہوں نے شام کے مفتوحہ علاقوں سے وصول شدہ جزیہ کی رقوم یہ کہتے ہوئے واپس کر دی تھیں "کہ ہم نے یہ جزیہ تم سے اس شرط پر وصول کیا تھا کہ اس کے عوض ہم تمہاری حفاظت و حمایت کریں گے، لیکن سردست ہم تمہاری حفاظت کی طاقت نہیں رکھتے لہذا یہ تمہارا مال تمہیں واپس کر رہے ہیں۔"

اسلام میں وصول کئے جانے والے جزیہ کو مفتوحہ اقوام کی مال و دولت کے استحصال یا ہوس زر سے کوئی دور کا تعلق بھی نہیں، اس لئے کہ وہ نہایت قلیل مقدار میں صرف جنگ کرنے کی صلاحیت رکھنے والوں اور کام کاج کی قدرت رکھنے والوں (ہنرمندوں) سے لیا جاتا تھا، اور اس کے بھی تین مدارج تھے (۱) جزیہ کی بلند ترین مقدار اڑتالیس[۴۸] درہم سالانہ تھی جو امیروں سے لی جاتی۔ (۲) درمیانہ جزیہ کی مقدار سالانہ چوبیس[۲۴] درہم تھی جو متوسط تجارت و زراعت پیشہ لوگوں سے لی جاتی۔ (۳) جزیہ کی کمتر مقدار بارہ[۱۲] درہم سالانہ تھی۔ یہ برسر روزگار پیشہ ور مزدوروں سے وصول کی جاتی تھی۔

جزیہ کی ان مختلف رقوم کو زکوٰۃ کی اس رقم سے کوئی مناسبت نہیں جو خود مسلمان اپنے مال سے حکومت کو ادا کرتے جس کی شرح ڈھائی فیصد کے تناسب سے شرعاً مقرر ہے۔

خود یہ رعایت کہ فقیر، بچہ، عورت، راہب و گوشہ نشین عبادت گزار، نابینا، مریض و اپاہج جزیہ سے مستثنیٰ ہیں اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ جزیہ کی وصولی میں استطاعت کی رعایت رکھی گئی ہے پھر اس کی مختلف حیثیتوں کے لحاظ سے تین مدارج میں تقسیم بھی یہ بتا رہی ہے کہ اس کی وصولی میں کوئی تشدد یا تنگی نہیں ہوتی۔ قس الناطف کے والی سے حضرت خالد بن الولیدؓ کے معاہدہ میں بتصریح مذکور ہے:۔

"میں تم میں کے ہر ذی استطاعت سے جزیہ لینے اور تمہاری حفاظت کرنے کا معاہدہ کرتا ہوں، تونگر سے اس کی حیثیت کے مطابق اور غریب سے اس کی حیثیت کے مطابق۔"

صرف اسی پر اکتفا نہیں، اسلام نے جزیہ ادا کرنے والوں کو فوجی خدمت سے بھی معافی دے دی ہے۔ اگر کوئی ذمی رضاکارانہ اسلامی لشکر میں شرکت قبول کر لیتا ہے تو اس سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ جس کا مطلب ہمارے موجودہ زمانہ میں یہ ہوا کہ جزیہ فوجی خدمت کا نقد معاوضہ ہے۔

اسی طرح اسلام تنگ حال محتاج ذمیوں کی کفالت کی ذمہ داری بھی لیتا ہے، اہل حیرہ کے ساتھ حضرت خالد بن الولید نے جو معاہدہ کیا تھا اس میں درج ہے:۔

"جو شخص بھی اس درجہ کمزور ہو جائے کہ کام نہ کر سکے یا معذور و اپاہج ہو جائے یا تونگری کے بعد اس حد تک فقیر ہو جائے کہ خود اس کے ہم مذہب اسے خیرات دینے لگیں تو اس سے جزیہ ختم کر دیا جائے گا، نیز اسے اور اس کے عیال کو مسلمانوں کے بیت المال سے گزر بسر کے لئے وظیفہ دیا جائے گا۔"

واضح رہے کہ جزیہ فرض کرنے میں تذلیل و تحقیر کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہے۔ اور قرآن مجید کی جزیہ والی آیت میں جو صاغرون کا لفظ آیا ہے کہ:۔

حتّٰی یعطوا الجزیۃ عن ید وّ ھم صاغرون۔	یہاں تک کہ وہ خود آکر جزیہ دینا قبول کر لیں۔ اور وہ تابعداری اختیار کر لیں۔ (التوبۃ: ۲۹)

تو اس سے مراد ہے اطاعت قبول کر لینا اور اسلامی حکومت کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کر لینا، اس لئے کہ "صغار" کے معنی لغت میں خضوع اور جھک جانے کے ہیں، اسی سے بچے کو "صغیر" کہتے ہیں کہ وہ اپنے ماں باپ کا اطاعت شعار اور بڑوں کے سامنے عجز مندانہ فرمانبردار رہتا ہے۔ گویا بالفاظ دیگر جزیہ ادا کرنے کے معنے ہیں ذمیوں کا حکومت سے وفاداری کا عہد، جس طرح حکومت اس کے عوض ان کی نگرانی و حفاظت کا انتظام اور ان کے عقائد کا احترام کرے گی۔

پورے قرآن مجید میں ایک آیت بھی صراحۃً یا کنایۃً اس معنی میں نہیں ملے گی کہ اسلام میں جنگ اس غرض سے فرض کی گئی ہے کہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے۔

مسلمانوں کو غیر مسلموں سے کس طرح برتاؤ کرنا چاہیئے اس کے بارے میں قرآن مجید میں یہ واضح نص ہے:۔

لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم	اللہ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ بھلائی انصاف اور احسان کرنے

فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبرّوھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحبّ المقسطین ٥ انّما ینھاکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علیٰ اخراجکم ان تولّوھم و من یتولھم فاُولٰئک ھم الظٰلمون۔

(الممتحنہ : ۸ و ۹)

سے نہیں روکتا جنہوں نے تمہارے دین کی وجہ سے تم سے جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے باہر نکالا۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ اللہ تو تمہیں ان لوگوں کی دوستی سے روکتا ہے جنہوں نے دین کی وجہ سے تم سے جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکال دیا اور تمہیں نکالنے میں تمہارے مخالفوں کی مدد کی، ایسے لوگوں سے جو دوستی رکھے گا تو وہی ظالم ہوں گے۔

نیز ملاحظہ ہو مندرجہ ذیل آیت کریمہ :۔

الیوم احل لکم الطیبات وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لھم والمحصنات من المومنات والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم اذا آتیتم اُجورھنّ محصنین غیر مسافحین ولا متّخذی اخدان و من یکفر بالایمان فقد حبط عملہ و ھو فی الآخرۃ من الخاسرین۔

(المائدۃ : ٦)

آج تمہارے لئے خوشگوار و پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے۔ اور ایمان والی پاک دامن عورتیں، اور تم سے پہلے جنہیں کتاب دی گئی ہے ان کی پاک دامن عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں بشرطیکہ تم نکاح کے ذریعہ انہیں اپنی حفاظت میں لے کر انہیں ان کے مہر دے دو اور ان سے بدکاری یا پوشیدہ جنسی تعلقات قائم کرنے کے خواہشمند نہ ہو۔ اور جس نے ایمان کا حق ادا نہ کیا تو اس کے عمل اکارت گئے اور وہ آخرت میں گھاٹا پانے والوں میں سے ہو گیا۔

ان آیات سے صاف واضح ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کا غیر مسلموں (اہل کتاب) سے تعلق بھلائی، نیکی، انصاف اور تعاون کی بنیادوں پر استوار ہو گا نیز یہ کہ مسلمان ان سے سمدھیانہ رشتہ بھی قائم کر سکیں گے (یعنی ان کی لڑکیوں اور بیٹیوں سے نکاح کر سکیں گے۔)